باطن کی آگہی

حصولِ رُوحانیت میں ہمیں باطنی آگہی کی شدید ضرورت ہوتی ہے - جہاں تک باطن بینی کا تعلق ہے ، اس کا حصُول عبادت کے ذریعے ہوسکتا ہے ، ایسی عبادت جس میں عبادت کرنے والا یہ محسوس کرے کہ خدا اس سے مخاطب ہے اور یوں اُسے اس کی قُربت کا احساس ہو - یہ ایک ایسی کیفیّت ہے جس میں کسی کو کچھ کہنا ہے ، کچھ دوسرے تک پہنچانا ہے - پہلی منزل تو یہی ہے کہ تخاطب محسوس کیا جائے ، لیکن اگر کسی کی نیّت ہو اور وہ اِس کے لیے تیّار بھی ہو ، تو خُدا اور بندے کے درمیان گفتگو شروع بھی ہو سکتی ہے اور پختہ بھی ہو سکتی ہے - یہ مکالمہ نہ صرف رُوحانی نشوونما کے لیے لازمی ہے ، بلکہ اخلاقی ترقّی کے لیے بھی ضروری ہے -

بات یہ ہے کہ واقعات کا تجربہ دانستہ ہوتا ہے گویا اُن کا کوئی مقصد ہے - بعض لوگوں کے لیے اُن کی نیتوں کا تجربہ اسقدر جان لیوا ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے حواس مختل ہو جاتے ہیں ، مگر دُوسروں کے لیے مقصد ایک خوشگوار بات ہے اور پسندیدہ اور طربناک واقعات کی حامل بھی - کچھ ایسے ہوتے ہیں جنہیں بعض اوقات انکی نیّت تباھی کی طرف لے جاتی ہے اور کبھی کبھی پُرسُرور لمحوں کی نشاندھی بھی کرتی ہے - ولیم جیمز (William James) کہتا ہے :

" انسان کائنات کا تجربہ کچھ یُوں کرتا ہے گویا کائنات قصد سے بھری پڑی ہے - ایک ایسی کائنات جو اس پر حق رکھتی ہے ، اُس سے مخاطب ہو کر ایسی بات کہتی ہے جو واضح نہیں - یہ اُسے عمل پر اُکساتی ہے اور چاہتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح موجود رہے - حالات

کیسے ہی ناماعد کیوں نہ ہوں ، آفت رسیدہ کیلئے تسکین قلب کا باعث تصوّر کردہ قصد ہی ہوتا ہے " ۔

انسانی ذہن ، محض واقعات سے کبھی تشفّی حاصل نہیں کرتا ۔ اسے معانی اور رمُوز (Symbols) اہمیّتوں اور لازم (Ought) کے ایسے احساس کی بھی ضرورت ہوتی ہے جسے ہسّت (Is) کا ادراک ہو ۔ ہست اور لازم ، بُنیادی سطح پر ایک دُوسرے کے ساتھ متعلّق ہیں ۔ ایک اصل لازم ، ایسا بھی ہے جو قلب سے اُبھرتا ہے ۔ کمی صرف اسی امر کی ہے کہ ہست کا احساس کریں اور اس کی باطنی تفاصیل سے بہرہ ورؔ ہوں ۔ وہ فلسفہ جو قلب کے لازم کو دبا دیتا ہے ، انسانوں سے باطن بینی کے خزانے چھین لیتا ہے ۔

(چارلس ڈکنز کے ناول) "ھارڈ ٹائمز" (Hard Times) میں مسٹر گریڈ گرائنڈز (Gradgrinds) نے جو فلسفہ اپنایا ہُوا ہے ، وہ صرف مادّی حقائق پر زور دیتا ہے ۔ اس کا رُخ تسخیرِ فطرت کی طرف بھی ہوسکتا ہے ۔ شاید اس کے ساتھ حُصولِ قوّت کی شدید خواہش اور تخریبی مقاصد بھی شامل ہیں ۔ انسانی نقطۂ نظر سے اس میں ایک کم قدری (Depreciation) ایک رُوحانی پیاس ہے جسے کبھی بجھایا نہیں جا سکتا ۔ یہ پیاس ، اصل میں رمزی معانی کی ڈھنک کی تلاش ہے ، ایک نازک تر توجیہ ہے ، تاکہ روز مرّہ کے تجربات کو تقدّس اور دُور دُور تک پھیلے ہُوئے آسمانی بحربیکراں اور زمین کی پوشیدہ گہرائیوں کو اہمیّت حاصل ہو ۔ زبانی گفتگو کی تمانیت وہ مقدّس مصافحہ ہے جس کے ذریعے روشنی ایک ہاتھ سے دُوسرے ہاتھ میں سفر کرتی ہے ۔ جسم کے اُوپری حصّے کا سانس لینا وجد ہے ، وہ رقص جو پنڈلیوں کُہنیوں اور انسان کے پاؤں میں قید ہے ، ایک فرحت افزا سرمستی ہے ۔ مراقبے میں لی ہُوئی ایک مقدّس گہری سانس، دائرہ در دائرہ تال کی ایک ایسی آواز ہے جو ہستی کے ہر بن مو میں سماع کا آہنگ پیدا کرتی ہے ۔ اس سے دُوسری انسانی ہستیوں کے ساتھ وسیع ذاتی رشتے پیدا ہوتے ہیں اور فطرت کے ساتھ ہم آہنگی جاگتی ہے ۔ یہ معنی کے جہاں کا جُزوی پھیلاؤ ہے ۔

یہ نقطۂ نظر کے مطابق معانی اُسی چیز سے متعیّن ہوتے ہیں جس کی انسان میں کمی ہو ۔ صحت کے معانی اس شخص کے لیے زیادہ ہوتے ہیں جو بیمار ہو ، خصوصاً اُس شخص کے مقابلے میں جو غیر معمولی طور پر توانا ہو ۔ جو زخمی ہو اُس کے لئے اندمال بہت بامعنی ہوتا ہے ۔ خوراک بھوک کیلئے وسیع تر معنی رکھتی ہے ۔ اسی طرح عورت کا بانکپن بھی اُس شخص کے لیے ایک خاص مفہوم رکھتا ہے جو جنسی طور پر پیاسا یا ہوس کا شکار ہو ۔ معانی کا مسئلہ ان کے لیے شدید دباؤ بن جاتا ہے جو بے معنویت کی کیفیت میں رہنے پر مجبور ہوں ۔ سہل اُن کے لیے اہم بن جاتا ہے ، چنانچہ معنی وہ ہے جو متن کی خالی جگہ بھر سکے ، جو نامکمّل کی تکمیل کرے اور خلا کو پُر کر دے ۔ معنی کی تلاش کسی پابند ، محدود یا متعیّن شے کی تلاش نہیں ۔ یہ ہمیشہ ماورا کی جستجو ہے ۔ قدرت کے ابہام اس کی دو معنویت ، اس کے نازک تر اشاروں اور چھپی ہوئی علامتوں کو ورغلاتے ہیں ۔ ممکن ہے اشاروں کی ذومعنویت کوئی بھید ہو مگر معانی کی جستجو کا جوش و خروش ایک رُخ کی وضاحت کرتا ہوا نئے اسرار کی حد میں داخل ہو جاتا ہے ۔ یہ کبھی ختم نہ ہونے والا تعاقب ہے ، مگر اس کے باوجود کوشش جاری رہتی ہے ۔

باطن بینی کا ایک پہلو ، بچّے کے سلسلے میں ، رویّہ ، توجّہ اور لحاظ ہے ۔ کوئی ثقافت اُس وقت تک نشوونما نہیں پاتی جب تک وہ بچّے کے نقش اوّل (Archetype)کا خود کو احساس نہ دلائے ۔ اوّلین نقش کے اعتبار سے بچّے کی یہ شبیہ نمو کے لامتناہی امکانات کے بے ساختہ پن اور تخلیق کی امنگ کی علامت ہے ۔ نطشے نے کہا تھا ۔ " پختگی اس سنجیدگی کا دوبارہ حصول ہے جو بچّے میں کھیل کے وقت ہوتی ہے ۔ " اس کے علاوہ کھیل کے جو بھی معانی ہوں سو ہوں ، یہ یقیناً درست ہے کہ بچّہ اپنی تمام صلاحیّتوں کے اجماع کے ساتھ ایسی حرکات کرتا ہے کہ اپنے لئے ایک نئی دُنیا تخلیق کر لیتا ہے ۔ اسلامی انسان پسند رویّے میں بچّہ حقیقت کے ادراک کی واضح علامت بنتا ہے ۔ وہ قدر اور حقیقت کے درمیان

آگہی کا رشتہ ہے جو سراب کا رد ہے ـ خواہ ریڈ انڈین ٹرکسٹر (Trickster) حصول کیلئے جدّوجہد کرے، مگر بخۃ ہرمیز (Hermes) کے ساتھ کھیلتا رہے گا ، اور جب تک بے احتیاط اور بے رحم ماحول کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہرمیز کے سامنے زیر نہ ہو جائے ، وہ ہرمیز کے نشان کو کبھی سنجیدگی سے نہیں لے گا ـ

بالغ کی زندگی میں ایسے کئی لمحات آتے ہیں جب وہ مارکیٹ کے بتوں کی پرستش کی ذلت میں اپنے ماضی اور اپنے بچپن کے زمانے سے رشتہ توڑنے کی کوشش کر سکتا ہے ـ ماضی کے ساتھ اگر یہ انقطاع مکمّل اور اچانک ہو ، تو وہ بالغ کی شخصیت میں افتراق (Dissociation) پیدا کر سکتا ہے ـ سوکبلی جٹان کا کنارہ اُس شخص کے قریب تر ہے جس نے اپنے دل سے بچپن کو فراموش کر دیا ہے ـ

قوموں اور ثقافتوں کی زندگی کا بھی یہی حال ہے ـ قومیں ترقّی کی منزلیں جلدی جلدی طے کرنے کی دُھن میں اپنے بچپن کی یادیں ذہن کے بند کمروں میں قید کر دیتی ہیں ـ بقول ژونگ : " قوموں کے بچپن کے واقعات کو دہرانے کے لیے اُن کی تاریخ ، لوک ورثہ اور اساطیر ، فراموش شدہ یادداشت کے لیے کلیدی حیثیّت رکھتے ہیں ـ ماضی کی جڑوں کی ابعاد (Dimensions) کی آگہی فراہم کر کے وہ ثقافت کو استقلال بخشتی ہیں ـ اجتماعی سطح پر بچّے کا امتیازی تصّور Motify) تحت الشّعور (Preconscious) کی نمائندگی کرتا ہے اور یہ اجتماعی سائیگی کے بچپن کا رُخ ہے ـ جب وہ شعوری سطح پر آجائے ،تو بہ عاقبت (Futurity) کی علامت ہے جو آگے بڑھنے کے لیے حوصلہ عطا کرتا ہے اور حصُولِ تکمیل اور حصُول یکتائی کے راستے کی رکاوٹوں کو دُور کرنے کے لیے توانائی عطا کرتا ہے ـ کبھی کبھی ہی نوجوانی کے ہیجانی قوّت یا پختہ بلُوغت کی متحرّک توانائی ثقافت قائم کرنے میں کامیاب ہوتی ہے ـ ان سے ایک تیز بھاگ دوڑ والا عمل اور ردِّعمل ضرور پیدا ہوتا ہے جو لوگوں کو نظر فریبی کے وجد میں سلا دیتا ہے ـ ممکن ہے وہ زندگی کو ایسے بےشمار

وقفوں میں تقسیم کرنے کی کوشش کرے جو اس طرح کے غیرضروری جذبیاتی خلفشار سے بھرے ہوتے ہوں جنہیں غیر تربیت یافتہ بلیک میل کی زبان اور جارحیّت پر مبنی حواز پسندی نےپروان چڑھایا ہو ، مگر جب ثقافت بہت نرم خُو ، تخلیقی بے ساختگی اور اندرونی آزادی پر مبنی ہو ،تو پھر وہ حوصلہ مندی کو اُبھارتی ھے تاکہ وہ بچّے کے آرکی ٹائپ کو تھکی ہُوئی اور بیقرار روح کی تِلچھٹ سے شعُور میں لائے - بچے کا آرکی ٹائپ عاقبت (مستقبل) کی علامت ھے - یہ خوش دلی اور بےخوفی سے حقیقت کو قبُول کرتا اور کھیل ھی کھیل میں اسے بدل کر رکھ دیتا ھے - " چیزوں کے قائم رھنے کے لیے یہ ضروری ھے کہ وہ بدلتی رھیں - "

ایک حاودانی بچّہ انسان کے اندر ھر وقت موجود رھتا ھے - یہی وہ بچّہ ھے جو دیکھ لیتا ھے کہ بادشاہ نے کوئی لباس نہیں پہنا - وہ حقیقت کا اتنا صاف شفّاف مشاہدہ کرتا ھے کہ اُس کے اندر پہلے سے متعیّن خوشامد کا میلان بھی موحود نہیں ھوتا - مثنوی مولانا رُوم میں بچّہ ایک مقام پر ظاہری حقیقت سے ماورا دیکھتا ھے ، اُسے حوھر کا وجدان ھو جاتا ھے- ظاہرھے، ایسے موقع پر حقیقت کے پس پردہ مخفی باطن،خوشی اور وقار ، جو دکھ اور تکلیف کے تجربے میں پوشیدہ ھوتے ھیں اُس پر کُھل جاتے ھیں ، ایک لحاظ سے مولانا (رُوم) اس کو ادارک کے پیچھے چُھپی ہُوئی جدلیاتی حقیقت ، اندرونی اختلاف اور تضادات کے اجماع کی علامت بنا دیتے ھیں - ماحول سے مطابقت کرنے والا بالغ ، عام طور پر ، بہت چُست لباس میں پھنسا ھوا ھوتا ھے اور اسی باعث اُسے دنیا جامد ، نہ تبدیل ھونے والی اور اپنا اعادہ کرنے والی نظر آتی ھے ، اس کا تموّج (Exitement) یکساں رہنے کی وجہ سے، کم ھوتا جاتا ھے - اس طرح زندگی کی مسرّتیں اور خوشیاں بے معنی ھو جاتی ھیں ، کیونکہ انہیں ایک ھی طرح کی سیر شکمی کی ضرورت ھوتی ھے اور اسی بنا پر چیزوں کی جُستجو کا طریقہ ایک ھی رھتا ھے - بچّے کی علامت بالغ میں تخلیق کا امکان پیدا کر سکتی ھے - یہ خطرناک امکان ھے ،

دُنیا کبھی کسی تخلیقی انسان کو آسانی سے اِس رُوپ میں قبول نہیں کرتی ۔ اُسے عام طور اپنی جگہ بنانی پڑتی ہے ۔ اپنی جگہ بنانے کی دھن میں وہ معاشرتی ڈھانچے میں ڈنٹ ڈال دیتا ہے ۔ تخلیقی انسان اجنبی (Outsider) ہوتا ہے ، مگر اسے آرکی ٹائپ کے طور پر قبول کر لیا جاتا ہے ۔ بچّہ خواب دیکھتا ہے ، مگر بڑے اس طرف دھیان ہی نہیں دیتے ۔ قرآنِ پاک میں یہ ذکر ہے کہ جب حضرت یُوسفؑ ، اپنے باپ ، حضرت یعقوبؑ کو اپنا خواب بیان کرتے ہیں تو ، وہ اسے سنجیدگی سے سُنتے ہیں اور نہ صرف اس خواب کے معانی تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں ، بلکہ اس میں چُھپے ہُوئے خطرے کو بھی بھانپ لیتے ہیں ۔ پھر یہ خواب ، باپ اور بیٹے کے درمیان ایک ایسا راز بن جاتا ہے جسکا ذکر یوسفؑ کے بھائیوں سے نہیں کیا جاتا ۔ خواب اور رویا (Vision) جدید انسان کے لیے بُھولی ہُوئی زبان بن چکے ہیں ۔ تھامس مان (Thomas Mann) نے البتہ بچّوں کے خوابوں کی اہمیت اور پیغمبرانہ پیش بینی کا ذکر کیا ہے ۔ جوزف پر اس کے تین ناول (Triology) کیسی دل موہ لینے والی موشگافی ہے ! ۔ جوزف خوابوں میں سے معانی نکالتا ہے ۔ وہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ بہتر کوشش اور ذہین تجزیے خوابوں سے ان کی اہمیّت چھین سکتے ہیں ۔ یہ استدلال کتنے منطقی ، کتنے خردمندانہ ہیں اور ایسی شے سے حاصل کئے گئے ہیں جو بذاتِ خود خردمندانہ نہیں ۔

اسلامی رُوحانی دُنیا میں بچّے کا آرکی ٹائپ ایک مستقل بنیادی تصّور ہے اِس بنیادی تصّور نے اسلامی ثقافت کی تخلیق میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے ۔

ہم صحت مند بچّے ، بیمار بچّے ، مغرور بچّے ، خوش بچّے اور دُکھی بچّے دیکھتے ہیں ۔ ہماری نگاہوں کے سامنے وہ بچّے بھی ہیں جن کے ساتھ اُن کی سفّاک مائیں ، باپ یا اُستاد ظالمانہ سلوک روا رکھتے ہیں ۔ پھر وہ بچّے جو اپنی بے رحم ماؤں کے سلوک کے باعث بُدّھو بن جاتے ہیں ۔ وہ سب بچّے ہیں ۔ اُن میں سے بہت سے بالغوں کا سفّاکی کا شکار ہیں اور یہ

سفّاکی جان بُوجھ کر اور خُودساختہ اُصولی بنیادوں پر روا رکھی جاتی ھے،لیکن انکے مابین ایک مشترک مضبوط رشتہ ھے ۔ جب وہ رُوحانی طور پر زخم خوردہ ھو جائیں ، تو اُن کا اند مال یہ احساس دلا کر ھو سکتا ھے کہ انُھیں سمجھا جا رھا ھے ۔ یہ احساس صرف دُوسرے ھی انُھیں دلِا سکتے ھیں خواہ وہ بچّے ھوں یا بڑے ۔ خواہ ایک طرح کا بے ساختہ اشارہ ھو یا سرد مہر ماں کی طرف سے اچانک خوش دلی کا اظہار یا ایک گرم معانقہ جب بچّے کو یہ احساس ھو جاتا ھے کہ فرد کے طور پر اُس کی تفہیم ھو رھی ھے ، تو اُس کے زخم بھر جاتے اور اُس کے دکھ دُور ھو جاتے ھیں ۔ بچّے تک اس احساس کو پہنچانا دشوار کام ھے ۔ زیادہ تر بالغ لوگ یہ پسند کرتے ھیں کہ بچّے کو نصیحت کی جائے ، اُس کے عیب نکالے جائیں اور اُس کی ہتک کی جائے ، اُن کی خواہش اکثر یہ ھوتی ھے کہ بچّوں کو تنگ کیا جائے ، ان کے ارادے اور خُود اختیاری کو توڑ پھوڑ دیا جائے ۔ یہ ایک خُود تخلیق کردہ اخلاقیات کا غبار ھے ۔ بچّے کو ، جیسا کہ وہ ھے ، جاننے کی کوشش کم ھی کی جاتی ھے ۔ اور اگر کبھی وہ " یہ کرو اور یہ نہ کرو " کے غبار کو دُور کر لیں اور بچّے کو سمجھنے کی کوشش کریں ، تو وہ اُس میں یہ اعتماد اور یقین پیدا کر سکتے ھیں کہ اُسے سمجھا جا رھا ھے۔ بچّےمیں اسطرح کی شمع روشن کرنےکا مطلب اُسے یکسرتبدیل کرنا ھے ۔ یہ نفسی طریقِ علاج ھے ۔ اس سلسلے کا اھم نکتہ یہ ھے کہ بچّے کو تبدیل کرنے کے عمل میں جب بالغ اپنی اخلاقیات بُروئے کار نہیں لاتا ، تو خود تبدیل ھو جاتا ھے ۔ یُوں بچّہ بڑے کی تبدیلی کا سبب بھی بن جاتا ھے ۔

رمز (Symbol) ژونگ کے نزدیک توانائی کو تبدیل کرنے والی شے ھے ۔ بچّہ ، رمز کے طور پر ، بالغ کو تبدیل کر سکتا ھے ، مگر شرط یہ ھے کہ اُسے ایسا کرنے کی اجازت دی جائے ۔ یہ بچّے اور بڑے کے درمیان عمل اور ردِّعمل ھے جس کے باعث جدلیاتی طریقے سے دونوں کی نشو و نُما ھوتی ھے ۔

اسلامی مظاہریّت (Phenomenology) میں بچّہ ،

خاص طور پر اپنے انسانی پہلو میں انسان کی اعلٰی ترین صورت ہے ۔ حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا : " جب بچّے رسول پاک صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کے پاس لائے جاتے ، تو وہ اُن کی برکت کے لیے دعا کرتے ۔ " حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ راہ چلتے ہوئے رسول کریم نے چند بچّے دیکھے اور انہیں سلام کرنے میں پہل کی ۔ رسول پاک کو بچّوں سے بہت محبّت تھی ۔ وہ دل میں بچّوں کی محبّت کو خدا کے رحم کے برابر سمجھتے تھے ۔ رسول کریم نے فرمایا کہ سب عرب عورتوں میں قریش کی عورتیں سب سے زیادہ بابرکت ہیں کہ وہ چھوٹے بچّوں پر محبّت نچھاور کرتی ہیں ۔ رسول پاک کی حدیث ہے ۔ " جو بچّوں کے ساتھ مہربانی سے پیش نہیں آتا ہم میں سے نہیں ۔ "

بعض صورتوں میں بچّہ حقیقتِ مُطلق کے ادراک کی رمز بھی بن جاتا ہے ۔ وہ فرشتوں کی تجلّی کی واردات میں سے گزرتا ہے ۔ مثنوی مولانا رُوم میں ذکر ہے کہ ایک غیر مسلم عورت دو ماہ کے بچّے کے ساتھ رسول کریم سے ملنے آئی ، تاکہ اُن کا امتحان لے سکے ۔ جب دو ماہ کے بچّے کی نظر رسول پر پڑی ، تو یُوں گویا ہُوا ۔ " اے رسُول ! (صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم) ہم آپ سے ملنے آئے ہیں ۔ " بچّے کی ماں نے غصّے کے عالم میں اُسے چُپ کرانے کی کوشش کی ، پھر وہ بولی ۔ " کس نے تمھارے کانوں کو اس شہادت سے بھر دیا ہے ؟ " بچّے نے جواب دیا ۔ " وہ دیکھ ! فرشتوں کے سردار جبرئیل کھڑے ہیں ۔ میرے لئے ہزار دلیلوں کی یہ ایک دلیل ہے ۔ " اسی طرح کی ایک اور حکایت بھی مثنوی میں درج ہے ۔ ایک یہودی بادشاہ نے ایک عورت کو حکم دیا کہ وہ ایک بُت کی پُوجا کرے ۔ اگر اُس نے ایسا نہ کیا ، تو اسے آگ میں پھینک دیا جائے گا ۔ اُس عورت نے انکار کر دیا ۔ بادشاہ نے اُس کی گود کا بچّہ اُس سے چھین کر آگ میں پھینک دیا ۔ عورت کا مارے خوف اور تشویش کے گویا دَم ہی نکل گیا ۔ اب اس کے یقین کا صحیح امتحان تھا ۔ پھر اس نے اچانک اپنے بچّے کو آگ میں بولتے ہُوئے سُنا ۔ وہ بولا ۔ ! " ماں ! مَیں مرا نہیں ، مَیں زندہ

هُوں ۔ ماں ! تُو آجا اور آکر دیکھ میں یہاں کس قدر خوش هُوں ۔ تُو بھی خدا کی قدرت کا معجزہ دیکھ ۔ اس میں اہلِ ایمان کے لیے مسرّتیں اور خوبصُورتیاں هیں ۔ ماں ، آ جا ! اور حضرت ابراهیم کے اس راز کو جان لے کہ ان کے لیے آگ کیسے گلزار بنی تھی ۔ میں نے آگ میں ایک نئی دُنیا دریافت کی هے ۔ اس آگ کے شعلے زندگی افزا هیں " ۔ پھر بلاتاخیر وہ آگ میں کُود گئی اور اس کے بچّے نے اُس کا هاتھ تھام لیا... اور پھر یہ حکایت آگے چلتی هے ۔

اس حکایت میں شِیر خوار بچّہ ابسا تبدیل کر دینے والا کردار ادا کرتا هے جو لادینی تصّور میں بدل جاتا هے ۔ وہ پُرانی دنیا کے ملبے سے ابھرنے والی تخلیق کی رمز بن جاتا هے ۔ وہ ایک پیشوا هے ۔ بُوڑھا ، حِکمت والا آدمی جو اپنی ماں کا هاتھ تھامتا هے اور اسے آسرارِ خداوندی کی طرف لے جاتا هے ۔

اسلامی انسان پسندی کی ایک اور واضح خصوصیّت بھی هے ۔ یہ گفتگو کی وساطت سے انسان کو نجات دلاتی هے ، انسانوں کے رُوبرُو هونے پر پُوری طرح بیدار هوتی هے ۔ جو کسی شخص کو دیکھتا هے ، اُس کی بات سُنتا هے ۔ یہ ضروری هے کہ دُوسرے کی بات پُوری توجّہ اور انہماک کے ساتھ سُنی جائے ۔ وہ سُنتا جو کچھ کہ دُوسرا کہتا هے ۔ وہ یہ بھی دیکھتا هے کہ کیسے کہا جا رھا هے ۔ کیا کہنے والے کی آواز میں کپکپاہٹ هے یا کسی خاموش اذیّت کی ہلکی سی گڑگڑاہٹ هے ؟ اگر کوئی شخص اپنی پُوری ہستی کھول کر دوسرے کے سامنے رکھ دے ، تو دُوسرے شخص کے پاس موقعِ هوتا هے کہ وہ اُس کی ہستی تک رسائی حاصل کرے اور اس کے اندرونی جَوھر کی اُس لہر کو محسوس کر سکے جو شخصیّت کے ٹکڑے جوڑ کر ایک مکمّل انسان بنا دیتی هے ۔ کوئی شخص بھی مکمّل کُل (Whole) نہیں هوتا ، همیشہ " تھوڑا بہت " هوتا هے ۔ وہ جتنا زیادہ کُل هوگا اُتنی هی تیزی اور بیساختگی سے رابطہ قائم کرے گا ۔ ایف ایچ بریڈلے (F.H.Bradley) نے اپنی کتاب "ظاہر اورحقیقت" (Appearance and Reality) میں ظاہر کے تضادات

کے تمام پہلوؤں کو واضح کیا ہے اور بعد میں حسیّاتی اور تصوّراتی حقیقت تک رسائل حاصل کی ہے ۔ پھر اس نے فراست کے ساتھ مدارج حقیقت کا نقطۂ نظر پیش کیا ہے اور اسکے متوازی مدارج صداقت بھی بنائے ہیں ۔ صداقت کے مدارج کا تصّور ، ممکن ہے ، منطقی طور پر دُرست نہ ہو ، مگر اس نے خاصے ہوشمندانہ طریقے سے اس کا اطلاق انسانی شخصیتوں پر کیا ہے ۔ ہوسکتا ہے ایک انسانی شخصیت زیادہ حقیقی اور دوسری شخصیت کے مقابلے میں زیادہ سچّی بھی ہو ۔ اِس کے برعکس کوئی شخصیت دُوسری کے مقابلے میں کم حقیقی اور مصنوٗعی بھی ہو سکتی ہے ۔ یہ امتیاز سچّے لوگوں اور جھوٹے لوگوں کے درمیان نہیں ۔ ممکن ہے ایک سچّا آدمی ہمیشہ سچ ہی بولے ، مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اصل مقاصد اور بنیادی زاویۂ حیات کے بارے میں دوسروں کو فریب میں مُبتلا رکھے ۔ معاشرتی سطح پر مقبول سچّا آدمی ، ممکن ہے ، کسی ڈراؤنے خواب میں مُبتلا ہو یا کسی تشویش کا شکار ہو ، کیونکہ اُس کے خیالات اُس کے اپنے حوالوں سے لگّا نہ کھاتے ہوں ۔ تعلّق کا احساس باطنی تونگری عطا کر سکتا ہے ۔ اُس کے زمانے کے اخلاقی ضوابط کے تحت بولے گئے سچ ، خواہ گنتی میں کتنی بھی زیادہ کیوں نہ ہو ، اُس کی رُوحانی برجستگی میں کمی کا باعث ہوں گے ۔ انسان اسی حد تک سچّے ہوتے ہیں جہاں تک وہ حقیقیت کے نقطۂ نظر کو تسلیم کرتے ہیں ۔ قبولِ ذات دشوار ہے ، لیکن مکالمے کے لیے یہ ایک بنیادی ضرورت ہے ۔

مکالمہ بہرحال نامکمّل ہستیوں میں ہوتا ہے اور جب وہ مَکالمہ (Dialogue) اور گفتگو (Conversation) نہ ہو ، تو وہ کم درجے کی سچّائی کو بہتر سچّائی اور زیادہ انتشار کو کم انتشار میں تبدیل کر دیتا ہے ۔

مکالمہ آزادی کی فضا میں ہی ممکن ہے اور نتیجے کے طور پر بندھے ہُوئے لوگوں کو تخلیقی خیال اور تخلیقی عمل کے لیے آزاد کر دیتا ہے ۔ مکالمے پر زیادہ اعتماد کرنے سے اُس کی صلاحیّت میں اضافہ ہوتا ہے ۔ بہرحال ، اُس کے اپنے اندیشے بھی ہیں ۔ جب اعتماد بڑھتا ہے ، تو اس کے ساتھ ہی

خوف اور شُبہات کو بھی تقویّت ملتی ہے - جیسے رُوحانی نَو آموز اپنی پہلی وجدانی واردات کے بعد خوفزدہ ہو جاتے ہیں - وہ اپنی ذات کی گہرائیوں میں یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ اُن کی اوّلین واردات وُجدان ، انُہیں جبر پھاڑ کر رکھ دے گی اور ان کے باطن سے ایک طاقتور شے باہر آجائے گی - انہیں لگتا ہے کہ وجد ، مُسرّت کے قریب کی کوئی شے ہے - وہ خوف میں مبتلا ہوتے ہیں - یہی بات مکالمے کے بارے میں بھی دُرست ہے - یہ بہت ہی بے تکلّف اور زیادہ ہی صداقت آمیز ہوتا ہے ، نازک مزاج ایغو اسے ہضم نہیں کرسکتا - ممکن ہے وہ شرکت سے نکل جانے کی صُورت نکالنے کی کوشش بھی کرے - اگر دو اشخاص اپنی ہستی سے دُور ہٹیں ، تو یہ اُن کیلئے تباہ کن ہو جائے گا -

اسلامی ادب میں مکالمے کی روایت ، خصوصاً مذہبی ادب میں ، خاصی پختہ ہے اور ارادتاً قائم کی گئی ہے اور اسے باقاعدہ روایت بنایا گیا ہے - فرید الدّین عطّار اور مولانا رُومی سے یہ روایت مختلف صُورتوں میں اقبال تک پہنچی ہے - شاعری اور صُوفیا کی صحبتوں میں کی جانے والی - بات چیت ، جسے ملفُوظات کہا جاتا ہے ، ایک ہی اہم اصُول یا معیار کی وضاحت کرتی ہے اور وہ ہے " اسلامی انسان پسندی " یہ سوال جواب ہی کا طریقِ کار ہے جو انسانی شخصیّت کے نظر انداز کیے گئے گوشوں کو شعُور کی سطح پر ہم آہنگ کر دیتا ہے - بعض اوقات رمز کے انداز میں ، بعض اوقات تمثیل کی صورت میں اور کبھی کبھی سیدھے سادھے منطقی انداز میں - کسی خوبصورت کہانی یا گہری بصیرت کے ذریعے - عظیم روحانی نکات بروئے کار لائے جاتے ہیں ایسے تین واضح خصوصیّات ہیں جو ان مکالمات کو بیان کرتی ہیں :

۱ - یہ مکالمات رُوحانی انکساری کی فضا لیے ہوتے ہیں یعنی اِن میں سیکھنے کی خواہش موجود ہوتی ہے - سیکھنے کا عمل لاشعُور کے کناروں کو چُھو کر جگایا جاتا ہے - یہ تربیّت حیرت کے ذریعے ہوتی ہے ، یعنی زندگی کی غیر مُشتبہ حقیقت کے سہارے جسے غیر مشتبہ ، غیر مانوس ، غیر امتناعی حقائق

جھنجھوڑتے رہتے ہیں ۔ انکساری ، ربیت میں آسانی پیدا کر دیتی ہے ، کیونکہ اس کے ذریعے ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ بغیر کسی تعصب اور مرعوبیت کے رابطہ استوار کر سکتا ہے ۔

۲ ۔ حقیقی انسانی مکالمہ اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب سوال کھرا ہو ۔ کھرا سوال وہ سوال ہے جس پر تھوڑا سا غور کرنے کے بعد سوال کرنے والا خود جواب تک رسائی حاصل کر سکے ۔ جواب ، سوال کے اندر پوشیدہ ہوتا ہے ، بالکل اسی طرح جس طرح تعبیر ، خواب کے اندر ہی چُھپی ہوتی ہے ۔ بعض سوال واضح نہیں ہوتے ۔ بعض اوقات مکالمہ خطوط کی شکل میں جاری رہتا ہے ۔ (حبیب عظیم صُوفیا کے خطوط)

۳ ۔ بعض اوقات انسانی مکالمہ (Puer and senex) ایک دوسرے کا بدل ہوتے ہیں مگر زیادہ تر ایک دوسرے سے اشتراک کرتے ہیں ۔ بچہ اور روایت ، جوانی اور بڑھاپا سب ایک دوسرے کے قریب آ جاتے ہیں تاکہ مکالمے میں معانی پیدا ہو جائیں ۔

اس کے باوجود کہ ہماری ثقافت میں مکالمے کی عظیم روایت موجود ہے ۔ مکالمہ ہماری روز مرّہ زندگی سے غائب ہوتا جا رہا ہے اور اس کی جگہ خُودگوئی (Monologue) لے رہی ہے ۔ جب ہم افلاطون کے مکالمات کا مطالعہ کرتے ہیں ، تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مکالمے صرف ایک قدر کے حوالے سے ممکن ہیں ، اور وہ ہے دوستی ۔ دوستی ، ایک ترتیب یافتہ قدر کے طور ، پر ہماری ثقافت سے تقریباً غائب ہو رہی ہے ۔ دوستیاں پَروان چڑھانی پڑتی ہیں اور ان کی نشو و نما کے لیے کوشش ، استقلال اور خلُوص ضروری ہیں ۔

ہم صُورتِ حال کی اہم ضرورتوں سے سطحی دوستیوں کو اُبھرتا ہُوا دیکھتے ہیں ، مگر کھری دوستی ، جو کُھلی فضا ، بے ساختہ پَن ، قبولِ ذات ، قبُولِ دوست اور باہم جوش و جذبے میں پھیلی ہو ، اب خال خال ہی نظر آتی ہے ۔

بالغوں کے درمیان دوستی یونانی مکالمے کی اساس تھی ۔ اپنے پیشے سے گہری وابستگی رکھنے والے ایک استاد ہی کے

بس کی بات ہے کہ وہ بچّوں سے دوستی کرے ۔ شرط یہ ہے کہ وہ اس موقع پر اپنا خول اُتارنے کے لیے آمادہ ہو اور بارہا ایک بچّے یا بہت سے بچّوں کے کھیل میں اُن کا ساتھی بن جائے۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ ہماری ثقافتی سرگرمیاں ایسی دوستی سے خالی رہتی ہیں ۔ عام سکولوں میں بھی ہمیں ایسی دوستی نظر نہیں آتی ۔ جماعت میں بھی ایسی کوئی تنظیم دکھائی نہیں دیتی جس کی بنیاد دوستی پر ہو ۔ ہمارے اساتذہ آج زیادہ سے زیادہ خُود پسند اور غیر محفوظ ہوتے جارہے ہیں ۔ عدم تحفظ کا احساس ہی اُن میں خودپسندی پیدا کرتا ہے اور یہی انہیں زیادہ غیر محفوظ کر دیتی ہے ۔ وہ شر کے ایسے دائرے میں اسیر رہتے ہیں جس سے اُن کی شخصیّتیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں ۔

ہمارے مصوّر، بچّوں کی تصویریں نہیں بناتے ۔ ایسی تصویریں جن میں بچّوں کی دوگونیت ، معصُومیت ، شرارت ، انکساری اور ہٹ ، نظر آتی ہو ۔ وہ خوش باش یا مصیبت زدہ بچّوں کی تصاویر بھی نہیں بناتے ، حالانکہ ایسے بے شمار پہلو ہیں جنہیں کینوس پر منتقل کیاجا سکتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ ان پہلوؤں کی طرف توجّہ کرنے پر وہ آمادہ بھی ہوں ۔ حقیقت یہ ہے کہ بُھوک ، تکلیف ، دُکھ اور مصیبت میں گھرے ہوئے یا بیمار بچّوں کی طرف توجّہ دی ہی نہیں جاتی۔ مصوّروں کو محض جمالیاتی ذوق کی تسکین ہی کے لیے نہیں بلکہ ایسی ہمدردی پیدا کرنے کے لیے بھی بچّوں کی تصاویر بنانی چاہیں جو انہیں سماوی آفات سے نجات دلا سکے ۔

اسی طرح ہمارے ادیب نہ تو بچّوں کیلئےاور نہ بچّوں کے بارے میں لکھتے ہیں ۔ بچّوں کے لیے اچّھا ، مناسب اور صحت مند ادب ہماری ثقافت میں نایاب ہے ۔ اچّھا ادب ، بچّوں کے ادراک میں اضافہ کر سکتا ہے ۔اسکی وجہ سےبچّوں میں تخلیقی مقاصد کے لیے تخیّل کی قوّت بیدار ہو سکتی ہے ۔ اُن کی جمالیاتی حسّیات فروغ پا سکتی ہیں ۔ یہ ادب انہیں زبان ، یا زبانوں کو سمجھنے میں معاونت کر سکتا ہے اور اسی سے اُن میں ابلاغ کی صلاحیّت بہتر ہو سکتی ہے ۔ بچّوں کے بارےمیں

لکھنے سے ننھے منّوں کے بارے میں ہماری تفہیم میں بھی وسعت آسکتی ہے ۔ بچّہ آج ہماری ناقص کارکردگی بن گیا ہے ۔ جتنا ہم اِسے نظرانداز کریں گے اُتنا ہی یہ ہمارے لاشعور میں زیادہ نمایاں ہوگا ۔ بچّے کا نقشِ اوّل (Archetype) نظرانداز کرنا ایک رجحان ہے جو جدباتی خطرے پر منتج ہوتا ہے ۔ آپ جس قدر زیادہ اسے نظرانداز کریں گے ، اُسی شدّت سے وہ آپ پر حملہ آور ہوگا ، اور قابو پا لے گا ۔ پھر آپ خُود بھی بچّہ بن جائیں گے اور ایسے تمام منفی خصُوصیّات پیدا کر لیں گے جو بچکانہ مزاج سے تعلّق رکھتی ہیں ۔

اگر آپ بچّے کو اس خیال کے تحت کھیلنے نہیں دیں گے کہ کہیں وہ اُن کھیلوں ہی کا ہو کر نہ رہ جائے جنہیں وہ پسند کرتا ہے یا اگر آپ بچّوں کو دوستی کرنے یا دوستوں کے ساتھ مل بیٹھنے اور ہنسی ٹھٹّھا کی اجازت نہیں دیں گے ،تو جلد ہی آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ آپ خود اُس سے جو کھیل کھیل رہے ہیں ، اس کا نتیجہ استحصال اور ناراضگی کے سوا اور کچھ نہ ہوگا ۔ ابھی وقت ہے کہ ہم بچّے کے نقشِ اوّل (آرکی ٹائپ) کی اہمیّت کا احساس کر لیں اور اسے اپنے شعور کا حصّہ بنا لیں ۔ بچّہ اُس وقت تک باپ نہیں بن سکتا جب تک ہم اس سے بیٹے جیسا سلوک نہ کریں ۔